Fikr-o-Nasar (Islamabad) 33:2 (1995)

برصغیر میں سلسلہ قادریہ ترویج و اشاعت

ڈاکٹر غلام یحیی انجم ☆

تصوف وہ مبارک علم ہے جس میں حق تبارک وتعالی کی ذات پاک اور صفات پاک کی کنہ و حقیقت کی نسبت بحث ہوتی ہے۔ اس علم کو ایک کنز مخفی اور اس پاک طریق سے بھی تعبیر کیا گیا ہے جو قرآن و احادیث سے مستنبط و مستخرج ہے جسے صراط مستقیم کہتے ہیں۔ (۱)

یہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر گامزن رہنے سے ذات باری تعالی کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس علم شریف کا موضوع ذات و صفات باری تعالی اور غرض و غایت رب تعالی کی معرفت قرار دی گئی ہے۔ (۲)

رب تعالی کی معرفت اور اس کی کنہ و حقیقت تک رسائی تصفیۂ دل اور تزکیہ نفس کے بغیر ممکن نہیں اور تصفیۂ قلب اور تزکیہ نفس کیلئے شریعت مطہرہ کی پابندی لازم ہے۔ ایک عارف کامل کا کہنا ہے کہ جو راستہ مخالف شریعت ہے کفر ہے اور جس حقیقت پر کتاب و سنت گواہ نہیں وہ الحاد و زندقہ ہے۔ اسی لئے ایک سالک کیلئے ضروری ہے کہ پہلے وہ شریعت کے اوامر و نواہی سے باخبر ہو تاکہ تقوی و طہارت جو شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا ہونے کا لازمی نتیجہ ہے اس کا حصول ممکن ہو سکے اور جب شریعت و طریقت کی دولت بے بہا سے ایک سالک اور طالب مالا مال ہو جائے گا تو وصول الی اللہ یعنی اس کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ جس کا نام حقیقت ہے وہاں تک اس کی رسائی خود بخود ہو جائے گی۔

مقام حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے بعد سالک تخیلاتی دنیا سے نکل کر اس دنیا میں پہنچ جاتا ہے جہاں سائنس کی طرح صرف مشاہدہ ہی مشاہدہ ہوتا ہے اب اس سالک کے سامنے دنیا ایسی ہی ہو جاتی ہے جس طرح ہتھیلی کے اوپر رائی کا دانہ۔ سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ بانی سلسلہ قادریہ نے اس مفہوم کو ان لفظوں میں ادا کیا ہے۔

☆ شعبہ اسلامیات، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دلی، بھارت

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

نظرت الی بلاد الله جمعا　　　کخردلة الی حکم التصال (۳)

علم تصوف کی یہی وہ عظمت اور اہمیت ہے جس نے دنیا کے بڑے بڑے اور ارباب فضل و کمال کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے اور بعض دانشوروں کو انگشت بدنداں کر کے و رطہ حیرت میں ڈالدیا ہے۔ بعض اہل علم نے اس علم کی حمایت میں فکر و خیال کے شہ پارے بکھیرے اور بعض نے اس علم کی مخالفت میں کتابیں لکھیں اور ورق در ورق سیاہ کر ڈالے۔ تصوف اب کسی محدود دائرہ فکر کا نام نہیں رہا بلکہ وہ ایک ایسا موضوع بن گیا ہے جس کا دائرہ روز افزوں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے اب صورتحال یہ ہے کہ متصوفانہ افکار کو ادب و ثقافت جیسے علوم و فنون میں آمیزش کر کے پیش کیا جانے لگا ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ آگے بڑھ کر اس علم کا مقصد تلاش حق میں گم ہو جاتا ہے۔

لفظ صوفی کا استعمال کب ہوا اور تاریخ اسلام میں سب سے پہلے کسے صوفی کہا گیا اس سلسلے میں حکماء، مورخین، اور ارباب فضل و کمال کے مختلف خیالات و نظریات ہیں اور تقریباً اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ زمانہ رسالت میں اس لفظ کا وجود نہیں تھا۔ کیونکہ صحابی ایسا متبرک لفظ تھا جس سے ہٹ کر لوگ کسی دوسرے لفظ کا اس کے بالمقابل تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر زمانہ نبوت و رسالت کے بعد لفظ تابعی نے وہی عظمت حاصل کر لی جو ایک زمانہ میں صحابی کو حاصل تھی۔ پھر اختلافات کا دور شروع ہوا اور جسے جس شعبہ میں کمال حاصل تھا اسے اس نام سے پکارا جانے لگا۔ زاہد، صوفی، عابد وغیرہ اور اس قسم کی دوسری اصطلاحیں اس دور کی ایجاد ہیں۔

صاحب تذکرۃ السلوک لکھتے ہیں۔

"خواص اہلسنّت جو اپنی جانوں کو مراعات اللہ کے ساتھ کرتے تھے اور دلوں کو عقل کے ساتھ روکتے تھے تصوف کے نام سے منفرد ہوگئے اور دوسری صدی ہجری میں یہ نام شہرت پکڑ گیا اور جو شخص اس نام کے ساتھ موسوم ہوا وہ ابو ہاشم صوفی ہیں جنہوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی (۴)۔

مولانا عبدالرحمن جامی (م ۸۹۹ھ) نے اس سلسلہ میں اپنی درج ذیل تحقیق پیش کی ہے۔ وہ ابو ہاشم کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

اول کسیکہ ویرا صوفی خواندہ اندوے بود پیش از وے کسے رابایں نام نخواندہ بودند" (۵)

لیکن لفظ صوفی سے متعلق ایک روایت ایسی بھی ملتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ صوفی پہلی صدی ہجری میں ہی استعمال میں آ چکا تھا۔ اس کے ثبوت میں ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین السراج ' (م ۵۰۰ھ) نے امیر معاویہ (م ۶۰ھ) کا ایک خط پیش کیا ہے جسے انہوں نے ابن ام الحکم مدینہ کے گورنر کے پاس بھیجا تھا۔ اس خط میں درج ذیل شعر درج تھا جس میں لفظ صوفی موجود ہے۔

قد کنت تشبہ صوفیا لہ کتب من الفرائض او آیات فرقان (۶)

(تو اس صوفی سے مشابہ تھا جس کے پاس کتابیں ہوں جن میں فرائض اور قرآنی آیات درج ہوں) صوفی اور تصوف کی بے شمار تعریفات کی گئیں ' ان میں سے جو تعریف مجھے زیادہ پسند آئی وہ شیخ علی ہجویری" کی کشف المحجوب میں مرقوم درج ذیل تعریف ہے:

> حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "التصوف ترک کل حظ للنفس" تصوف تمام نفسانی لذات و حظوظ سے دستکشی کا نام ہے" (۷)

یہ مبارک علم جس کے حامل کی درج بالا صفات و خصوصیات ہوں اس کی نشو و نما کس سر زمین پر ہوئی یہ ایک اہم سوال ہے' بقول بعض مورخین اس علم شریف کی نشوونما سر زمین فارس میں ہوئی۔ تعلیم غوثیہ میں ہے۔

> "جیسے دنیا کی آبادی میں فارس کو سب پر تقدم ہے ایسے ہی تصوف کا نشوونما بھی سب سے پہلے یہیں پایا جاتا ہے اور کتب مذاہب مختلفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت طوبیٰ کو حکمائے اشراقین نے بویا اور حکمائے مشائین نے سینچا اور فارس میں اس کا نشوونما ہوا اور مصرو یونان کی آبیاری نے شاخ و بر پیدا کئے' ہندوستان کی نسیم نے گل شگفتہ کر کے بوباس پیدا کی' شریعت اسلام نے خوشبو سونگھی' متکلمین نے بہار دیکھی اور صوفیوں نے پھل کھائے۔ (۸)

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا کہ "ہندوستان کی نسیم نے گل شگفتہ کر کے بوباس پیدا کی"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف نے ہندوستان کے اندر اپنے پاؤں جمائے اور اس سے وابستہ بندگان خدا کو اپنے فیوض و برکات سے مالا مال کیا۔ بیشمار علماء و فضلا نے اس موضوع سے متعلق کتابیں لکھیں اور کئی بندگان خدا مدارج سلوک طے کر کے مقربین بارگاہ الٰہی ہوئے۔ تصوف کی بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ رات کے جاگنے میں بڑی کوشش کرنا۔
۲۔ تمام تعلقات سے الگ ہو کر تجرید حاصل کرنا۔
۳۔ اپنے مولی کی بندگی میں مشغول رہنا۔
۴۔ حق تعالی کے ذکر کی مداومت کرنا۔
۵۔ ہر امر میں اللہ تعالی پر بھروسہ کرنا۔
٦۔ خدا کی مخلوق کی ایذا کو سہنا۔
۷۔ اہل دنیا کی صحبت سے احتراز کرنا۔ (۹)

تصوف کی ان بنیادی باتوں کو برقرار رکھتے ہوئے سالکان راہ طریقت نے اس میں کچھ ایسی چیزیں اپنے اغراض و مقاصد کے تحت شامل کر دیں جس کے نتیجے میں کئی سلاسل اور فرقے وجود میں آ گئے۔ اس اختلاف کی تفصیلی وجہ شاہ ولی اللہ نے تفہیمات الہیہ میں لکھی ہے۔ (۱۰) جنیدیہ، احمدیہ، رفاعیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ قادریہ، چشتیہ، فردوسیہ، طوسیہ، گاذرونیہ، سقطیہ، طیفوریہ اور مداریہ ایسے نہ جانے کتنے سلاسل وجود میں آئے (۱۱) جنہوں نے اپنے اپنے اصول و ضوابط کے پیش نظر سالکان راہ طریقت کو اپنی تعلیمات اور طریقہ ذکر و فکر سے باخبر کیا۔ اور فارس کی سرزمین پر نشونما پانے والے اس پودے کی شاخیں چہار دانگ عالم میں پھیل گئیں۔ اور جس کلی کو نسیم ہند نے گل شگفتہ بنایا تھا اس کی خوشبو، صرف فارس اور اہل فارس ہی نہیں بلکہ تمام دنیا میں محسوس کی جانے لگی اور تصوف کے مختلف سلسلے مختلف ملکوں میں پھیل کر رواج پا گئے۔ بقول شخصے:

"ہندوستان، ماوراء النہر اور مکہ و مدینہ میں طریقہ نقشبندیہ کا رواج ہوا، طریقہ قادریہ کو ہندوستان و عرب میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ طریقہ چشتیہ ہندوستان میں زیادہ مقبول ہوا۔ توران اور کشمیر میں طریقہ کبرویہ نے شہرت حاصل کی۔ مغرب، مصر، سوڈان اور مدینہ میں طریق شاذلیہ

کا رواج ہوا۔ طریقہ شطاریہ نے ہندوستان میں قبول عام حاصل کیا سلسلہ جلالیہ روم میں' احمدیہ عراق میں اور حیدریہ خراسان میں پھیلا...(۱۲)"

سلاسل قادریہ' چشتیہ' نقشبندیہ اور سہروردیہ نے ہندوستان میں زیادہ شہرت حاصل کی۔ ہر ایک نے اپنی جامع تعلیمات سے ایک خلقت کو اپنے سے قریب کیا۔ اپنی کچھ انفرادی خصوصیات کی بنا پر سلسلہ چشتیہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ عوام الناس کا اکثر طبقہ اسی سلسلہ سے وابستہ ہے۔ سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ سے اہل علم طبقہ وابستہ ہوا۔ علماء کی بھاری اکثریت سلسلہ قادریہ سے متعلق ہے اور آج بھی علماء و فضلاء کے طبقہ میں جو مقبولیت سلسلہ قادریہ کو حاصل ہے دیگر سلاسل کو نہیں۔

ہندوستان میں تصوف کب داخل ہوا اور پہلے کس بزرگ نے اس علم شریف سے باشندگان ہند کو متعارف کرایا یہ بجائے خود ایک اہم سوال ہے جس کے جواب میں اگر صرف اتنا کہا جائے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ تصوف کی بھی اشاعت ہو گئی تھی تو بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کا اہم فریضہ بیشتر انہی نفوس قدسیہ نے دیا جو تصوف کے مدارج علیا پر فائز تھے۔ تعمیر حیات لکھنؤ میں ہے:

> "ہندوستان میں مسلمانوں کے دور کا آغاز صوفیائے کرام ہی کی ذات سے ہوا اور حضرت علامہ سید علی ہجویری' (م ۴۶۵ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کشف المحجوب لکھ کر پہلی مرتبہ سرزمین ہندوستان کو اسلامی تصوف سے روشناس کر کے اس خطہ تاریک کو اسلام کی روشنی سے منور اور دین و توحید کی دولت سے مالا مال کیا خصوصاً پنجاب کا پورا علاقہ آپ کے خوان فیض و کرم سے زلہ ربا ہوا اس لئے دنیا آپ کو داتا گنج بخش کے لقب سے یاد کرتی ہے"۔

پھر امیر کبیر سید علی ہمدانی نے (م ۷۷۰ھ) سرزمین ہند کو اشاعت دین حق کیلئے منتخب فرمایا اس مقدس شخصیت کو جو شئی یہاں کھینچ کر لائی وہ نسرین و نسترن کی جانفزا خوشبو' وادئ کشمیر کا حسن و جمال اور ہمالیہ کی چوٹیوں کی سربلندی نہ تھی بلکہ غیرت و محبت اور شفقت و محبت کا وہ جذبہ تھا جس سے سرفروشی وجانبازی' جہد و مجاہدہ اور ایثار جدوجہد کا شہباز پرواز کرتا ہے۔ سید علی ہمدانی نے اس سرزمین کو بزور شمشیر فتح نہیں کیا بلکہ درد و محبت سے فتح کیا' اخلاص و

روحانیت سے زیر کیا اور جذب و شوق سے جیتا اور اپنے تین ہی دوروں میں پورا خطہ مسلمان بنا لیا۔ (۱۳)

سطور بالا کے حقائق کا اعتراف معتصم عباسی آزاد نے بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"در حقیقت ہندوستان میں اسلام کی اشاعت اور اس کی مقبولیت صوفیوں کی مرہون منت ہے اس لئے تصوف کو یہاں مذہبی زندگی میں بنیادی حیثیت حاصل رہی" (۱۴) اور اس بنیادی حیثیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہی رہا ان میں اس قدر وسعت ہوئی اور ان کے اثرات اس طرح بڑھے کہ وہ بے شمار چیزیں جو معاشرہ کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ سمجھی جاتی تھیں صوفیاء کی تعلیمات سے دور و نفور کیا۔ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی منگولوں کی پیدا کی ہوئی ابتری کو صوفیا نے روحانی سلاسل کے قیام سے پورا کیا۔ ابتدائی دور میں کشف المحجوب کے مطابق تو صرف بارہ سلاسل طریقت تھے جن میں دو سلاسل مردود اور باقی دس مقبول تھے۔ لیکن مرور ایام کے ساتھ ان میں اس قدر اضافہ ہوا کہ ہندوستان میں ہی صرف سولھویں صدی میں چودہ ایسے سلاسل کا ذکر ملتا ہے جن کا تذکرہ ابو الفضل نے آئین اکبری میں کیا ہے۔ بقول گوپی چند نارنگ ان چودہ سلاسل میں جن چار سلاسل کو قبول عام حاصل ہوا وہ یہ ہیں۔

۱۔ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۵ء) کا قادریہ

۲۔ شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) کا سہروردیہ

۳۔ شیخ عبداللہ شاذلی (م ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) کا شاذلیہ

۴۔ مولانا جلال الدین رومی (م ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۳ء) کا مولویہ

ان میں مولویہ ترکی میں اور شاذلیہ زیادہ تر مصر، شمالی افریقہ، عرب اور شام میں مقبول ہوا۔ ہندوستان میں قادریہ اور سہروردیہ کا سکہ رائج رہا۔ برصغیر ہندوستان میں ان دو سلسلوں کے علاوہ اور جو سلسلے رائج ہیں ان میں خواجگان اور چشتیہ سلسلے نہایت ہی مشہور ہیں۔ سلسلہ خواجگان کو خواجہ محمد اتایسوی (م ۵۶۲ھ) اور چشتیہ کو شیخ ابو اسحق شامی (م ۳۲۹ھ) سے منسوب کیا جاتا ہے۔ گو چشتیہ کو ہندوستان میں پھیلانے اور پروان چڑھانے کا شرف خواجہ معین الدین سجزی (م

۶۳۲ھ / ۱۲۳۵ء) کو حاصل ہے۔ (۱۵)

سلسلہ قادریہ کو جو عظمت ہندوستان میں حاصل ہے وہ اور دیگر سلاسل کو حاصل نہیں اس کا اعتراف متعدد مشائخ کرام اور ارباب دین و دانش نے کیا ہے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ) نے اپنی مکتوبات، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے ہمعات و تفہیمات میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ والرضوان اور ان کے فضائل و کمالات سے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) شیخ عبدالعزیز دہلوی اور شیخ احمد رضا قادری کے علاوہ کئی ارباب علم و فضل نے عظمت قادریت سے متعلق کتابیں اور تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔

اس عظیم سلسلہ کا قیام اور رواج ہندوستان میں کب ہوا اور اس کی نشوونما کہاں ہوئی اس سلسلے میں ارباب فکرونظر کے مختلف خیالات و نظریات ہیں۔ ذیل میں دی گئی تحریروں کی روشنی میں ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے قیام اور فروغ سے متعلق سنہ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا قیام اور رواج پندرھویں صدی کے وسط میں ہوا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی رقم طراز ہیں۔

"پندرھویں صدی کے وسط میں قادریہ اور شطاریہ کے سلسلے ہندوستان میں قائم ہوئے قادریہ سلسلہ کو شاہ نعمت اللہ قادری نے ہندوستان میں قائم کیا۔ سید محمد غوث گیلانی مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی، سید موسیٰ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سلسلہ کو عہد مغلیہ میں فروغ دیا۔" (۱۶)

سطور بالا کی روشنی میں یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ بانی سلسلہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ والرضوان کے وصال کے دو سو سال بعد شاہ نعمت اللہ قادری نے اہل ہند کو اس سلسلے سے متعارف کرایا۔

شاہ نعمت اللہ قادری نام کے دو بزرگ پائے جاتے ہیں جن کی ذات والا گہر سے غیر منقسم ہندوستان میں سلسلہ قادریہ رواج پذیر ہوا ان میں ایک کا تعلق دکن جب کہ دوسرے بزرگ کا تعلق گولڑ فیروز آباد سے تھا اول الذکر کی سنہ وفات ۱۴۳۰ء ہے جب کہ موخر الذکر ۱۶۶۴ء میں

اللہ کو پیارے ہوئے۔ شاہ نعمت اللہ دکنی نے ہندوستان میں بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی سلسلہ قادریہ قائم کیا اس کی تائید شیخ اکرام کی درج ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"شاہ نعمت اللہ قادری دکنی نے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو رائج کیا اگرچہ یہ سلسلہ ان سے نہیں چلا لیکن تقدمیت کا شرف انھیں حاصل ہے"۔ (۱۷)

۲۔ موخر الذکر شاہ نعمت اللہ فیروز آبادی نے بنگال میں اس سلسلہ کو فروغ بخشا بقول شیخ اکرام "بنگال میں قادریہ سلسلے کے جس بزرگ کا نام سب سے پہلے لیا جاتا ہے وہ گوڑ فیروز آباد کے شاہ نعمت اللہ قادری تھے جو نارنول میں پیدا ہوئے اور سیر و سفر کے دوران راج محل آئے جو شاہ شجاع کے زمانہ میں بنگالہ کا حاکم تھا شاہ شجاع نے آپ کی بڑی قدر کی آخری ایام میں آپ گوڑ کے نواحی قصبہ فیروز آباد تشریف لے گئے اور وہیں ۱۶۶۴ء میں وفات پائی" (۱۸)

۳۔ بعض اصحاب قلم نے ہندوستان میں قادریت کے فروغ اور اس کی نشر و اشاعت کا سہرا سید محمد غوث گیلانی اوچی (م ۱۵۱۷ء) کے سر باندھا ہے اور اپنی تحریروں کو مدلل کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ آپ ہی کی ذات ستودہ صفات سے ہندوستان میں قادریت کی شمع روشن ہوئی جس کی روشنی سے دور دور تک اجالا پھیل گیا۔ مذکورۃ الصدر بزرگ کی ذات اقدس سے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو فروغ ملنے کا اعتراف تو پروفیسر خلیق احمد نظامی اور شیخ محمد اکرام نے بھی کیا ہے لیکن تذکرہ اولیائے ہند کے مصنف نے سید محمد غوث گیلانی کی ذات کو ہندوستان میں قادریہ سلسلے کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں سبب اولین قرار دیا ہے وہ اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سید محمد غوث گیلانی اہل علم اور خدا ترس بزرگ تھے سخاوت اور بہادری ان کی ذات میں نمایاں تھی آپ نے باضابطہ مخلوق کی ہدایت کا اہم فریضہ انجام دیا بڑے بڑے امراء اور علماء و فضلا آپ کے دامن سے وابستہ ہو گئے سلطان سکندر لودھی نے بھی آپ سے بیعت کی اس طرح عقیدت مندوں کا ایک لمبا تانتا بندھ گیا آپ کی ذات بابرکت سے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا فیضان جاری ہوا اور ہندوستان میں اس سلسلہ کی نشر و اشاعت کے اولین شخص قرار دیئے گئے"۔ (۱۹)

سلطان سکندر لودھی کے عہد میں سلسلہ قادریہ کے آغاز کا تصور صفی حیدر نے بھی پیش

کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"سلسلہ قادریہ کا آغاز ہندوستان میں ،محمد سلطان سکندر لودھی حضرت سید محمد غوث سے ہوا آپ کا سلسلہ نو واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بانی سلسلہ قادریہ تک پہنچتا ہے"۔ (۲۰)

۴۔ ہندوستان سلسلہ قادریہ جاری کرنے والے پہلے بزرگ سید محمد غوث گیلانی نہیں بلکہ سید محمد غوث گوالیاری ہیں اس حقیقت کا انکشاف مطالعہ اسلامیات کے مصنف حسن واصف عثمانی نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"ہندوستان میں محمد غوث گوالیاری (م ۱۵۶۲ء) سلسلہ قادریہ کے جاری کرنے والے بزرگ ہیں" (۲۱)

حسن واصف کا نظریہ توجہ طلب ہے اور وہ اس لئے کہ سیدنا محمد غوث گوالیاری کی سنہ وفات ۹۷۰ھ اسی سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوئے ۹۷۰ھ میں اسی سال کے اخراج سے سنہ ولادت ۸۹۰ھ متعین ہوتی ہے خزینۃ الاصفیاء میں سید محمد غوث گوالیاری کی سنہ وفات اس طرح مندرج ہے۔

"وفات آں جامع الکرامات باتفاق اہل اخیار در سال نہصد وہفتاد (۹۷۰ھ) است کہ بتاریخ پانزدھم رمضان المبارک بوقوع آمد و مدت عمر ہشتاد سال و قبر در گوالیار است (۲۲)

دوسری بات یہ بھی ہے کہ سیدنا محمد غوث گوالیاری کا تعلق سلسلہ قادریہ سے کہیں زیادہ سلسلہ شطاریہ سے ہے ہندوستان میں آپ کی شہرت بحیثیت شطاری بزرگ کے ہے۔ شطاریہ وہ سلسلہ ہے جسے عبداللہ شطاری بخاری (م ۸۹۰ھ) نے قائم کیا تھا اور سیدنا محمد غوث گوالیاری اور ان کے نسبتی بھائی شیخ پھول اور شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے ہندوستان میں اس سلسلہ کو ترقی دی" (۲۳)

۵۔ ان تفصیلات کی روشنی میں سید محمد غوث گوالیاری کو ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کہنا تاریخی حقائق کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ان کی ولادت کے تقریباً پچاس سال قبل ہی خانوادہ قادریت کے چشم و چراغ سیدنا حضرت سید محمد قادری بغدادی ۸۴۶ھ میں ہندوستان کی سرزمین پر اپنے چالیس خلفاء کے ساتھ ورود مسعود فرما چکے

تھے انہوں نے اشاعت اسلام کے ساتھ سلسلہ قادریہ کو فروغ بخشا اور ان کے چالیس خلفاء بہار اور اس کے اعراف و نواح صوبوں میں پھیل کر اس سلسلہ کے فروغ میں منہمک ہوگئے' سید فضل الحق قادری لکھتے ہیں۔

"سلسلہ قادریہ کے سب سے پہلے بزرگ حضرت سیدنا محمد امجھری ہیں اور آپ کے بعد مخدوم محمد گیلانی (م ۹۲۳ھ) اوچہ' شاہ قیص قادری (م ۹۹۳ھ) محلہ گڑھ منیر بہار شریف اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) حضرت میاں میر لاہوری (م ۱۰۴۵ھ) سے اس سلسلہ کو فروغ دیا" (۲۴)

حضرت سید محمد قادری امجھری ہندوستان اس وقت تشریف لائے جب ۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء میں تیمور دہلی کو تاراج کر کے اور سلطنت تغلقیہ کو برباد کر کے چلا گیا تھا ہندوستان میں ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا نہ جانے کتنے خود ساختہ راجہ و مہاراجہ عالم وجود میں آچکے تھے۔ ظلم و تشدد کی فضا عام تھی کمزوروں اور ضعیفوں پر مظالم و مصائب کے پہاڑ' توڑے جا رہے تھے ایسے عالم میں سید محمد قادری ۸۴۶ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے صوبہ بہار میں ایک ویران جگہ چشمہ کے کنارے اپنا عصا گاڑتے ہوئے فرمایا اب میں اسی جگہ سکونت پذیر ہوتا ہوں تو بھی متحرک نہ ہونا آپ کے خلیفہ شیخ علی شیرازی جو آپ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے تھے فرماتے ہیں۔

"پس عصا کہ در دست داشت برکنارہ چشمہ فروبرد و گفت من دریں جا ساکن شدم تو نیز متحرک شو۔ در حال عصا سبز شد و شاخہائے پراز گل و میوہ ہا برآورد" (۲۵)

سطور بالا میں جس عصا کا ذکر ہوا در اصل یہ سیدنا غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ و الرضوان کا عصا تھا جسے بطور تبرک و نشانی آپ کے والد ماجد سیدنا محمد درویش علیہ الرحمہ نے آپ کو تاج اور خرقہ کے ساتھ عطا فرمایا تھا اور ساتھ ہی وصیت بھی کی تھی کہ اس عصا کے زمین پر نصب کرنے کے بعد جہاں شاخیں اور کونپلیں نکل آئیں وہیں سکونت اختیار کر لینا۔ (۲۶) ۔۔ والد ماجد کی وصیت کے مطابق آپ نے وہیں بود وباش اختیار کی آپ کے شرف بخشنے کے باعث اس سرزمین کو امجد کہا جانے لگا جو اب کثرت استعمال اور اقتدار زمانہ کے باعث

امجھر ہو گیا ہے۔ (۲۷)

حضرت سید محمد قادری علیہ الرحمتہ و الرضوان کی ذات پاک سے ہندوستان میں جس طرح سلسلہ قادریہ کا فروغ ہوا اس کی ایک طویل داستان ہے مختصر یہ کہ آپ نے کئی راجاؤں مہاراجاوں کو ان کے ظلم و تشدد کی بنا پر بحکم الہی فنا کے گھاٹ اتارا پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات سے وہاں کے عوام کو روشناس کر کے اپنے سے قریب کیا۔ اور یہ سلسلہ آپ کی حیات مقدسہ تک چلتا رہا۔ " ربیع الاول (م ۹۴۰ھ) کو آپ نے وفات فرمائی تھوڑا قبل وفات کے لفظ عشق کو دوبار ارشاد کیا تھا" تکرار عشق ہی مادہ تاریخ وصال ہے" (۲۸)

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی ترویج و اشاعت آپ کی ذات اقدس سے ہوئی اس کا اعتراف پروفیسر محمد طیب ابدالی نے درج ذیل لفظوں میں کیا ہے۔

"سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت سیدنا محمد القادری البغدادی الامجھری کا قدم مبارک ہندوستان میں ۸۴۶ھ میں پہنچا اور آپ نے اس دیار میں سلسلہ قادریہ کی تعلیمات روحانی و باطنی کی ترویج و اشاعت کی آپ کے بعد آپ کے خلفاء و جانشینوں نے اس فیضان کا زیادہ سے زیادہ اجرا کیا پابندی شریعت اور اتباع سنت پر سختی سے گامزن رہے' رسوم جہالت و شرک و بدعات کا قلع قمع کیا۔ تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کی تعلیم کی خدمت خلق اور رشد و ہدایت کی توسیع کی ان سب حقائق نے سلسلہ قادریہ کو مقبول عام بنایا اور اس کی اشاعت کافی ہوئی۔ (۲۹)

پروفیسر طیب ابدالی نے اس کا دعوی تو نہیں کیا کہ سید محمد قادری امجھری ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے اولین بزرگ ہیں انہوں نے موزوں ترین بات کہی ہے بلاشبہ سیدنا محمد قادری کی ذات والا صفات سے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا فیضان زیادہ سے زیادہ جاری ہوا اور ان کے خلفاء کے ذریعہ بہار اور اس سے ملے ہوئے دیگر صوبوں میں قادری فیوض و برکات کے کئی چشمے رواں ہوئے۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بغداد سے ہندوستان روانہ ہوتے وقت آپ کے والد ماجد نے ہندوستان جا کر اپنی ہی نسل میں شادی کیلئے فرمایا تھا شیخ علی شیرازی لکھتے ہیں۔

"وقت وداع پدر بزرگوارش فرمود اے پسر اگرچہ حاجت نیست نصیحت و ادب و

نیکوئی زیرا کہ خدائے تعالی ہمہ بخشیدہ است بتو لیکن مزاج بتجرد و تفرید از تزویج می نماید ازیں موجب ترا اندرزی می کنم باید کہ بجا آوری وزنے در عقد آری از اعیان و اشراف خصوصاً از برادران من مثل سید احمد قادر کہ در ھند متوطن گردیدہ در نسل او مناکحت میسر آید جائے دیگر نکنی" (۳۰)

والد ماجد کے حکم کے بموجب آپ نے دوران سفر ہندوستان میں موضع سرہرپور متصل کچھوچھہ مقدسہ صوبہ اتر پردیش میں اپنے ہی خانوادہ کے ایک بزرگ حضرت سید تاج الدین ابو عبدالرزاق کی دختر نیک اختر فاطمہ عرف بی بی پیارن سے رسم مناکحت فرمائی" (۳۱)

اس واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ خانوادہ قادریت سے بزرگ نویں صدی ہجری سے قبل ہی ہندوستان میں آکر متوطن ہو چکے تھے اور شمع قادریت کے ذریعے ہزاروں گم گشتاگان راہ کو راہ حق و صداقت سے ہمکنار کر چکے تھے۔

۶۔ نویں صدی ہجری سے قبل ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں سلسلہ قادریہ کے بزرگ ہندوستان میں موجود تھے لیکن انھیں زیادہ اہمیت حاصل نہ تھی اس حقیقت کا انکشاف سید شمیم احمد ڈھاکہ کے اس مقالہ سے ہوتا ہے جو "بہار کے صوفیائے کرام کے" عنوان سے معارف میں شائع ہوا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"بہار میں ساتویں ' آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے نصف اول تک قادریہ سلسلہ کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں رہی گو اس سلسلہ کے متعدد بزرگ بنگال و بہار میں موجود تھے مگران کا حلقہ اثر زیادہ وسیع نہ تھا مخدوم الملک کے معاصرین میں اس سلسلہ کے سب سے مشہور و معروف بزرگ پیر شاہ عطاء اللہ بغدادی (م ۸۱۷ھ) ہیں جن کا مزار مقدس بہار شریف میں محل پیر اور شیرپور کے درمیان سڑک سے تھوڑی دور پر ندی کے کنارے واقع ہے یہ جگہ عرف عام میں پیر ستہ گھاٹ کہلاتی ہے جو لفظ پیر شاہ عطا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ قادریہ سلسلہ کی دوسری مشہور ہستی حضرت داود قریشی کی ہے جو حضرت صدر الدین راجو قتال بخاری (م ۸۰۹ھ) کے مرید اور خلیفہ تھے' قادریہ سلسلہ کو زیادہ عروج مغلوں کے دور میں ہوا اور آج یہ حال ہے کہ شاید ہی کوئی ایسی خانقاہ یا گدی ہو جہاں اس سلسلہ میں بیعت نہ لی جاتی ہو۔ (۳۲)

درج بالا عبارت کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں سلسلہ قادریہ

کی بنیاد ہندوستان میں پڑ چکی تھی مگر فروغ اسے نویں صدی ہجری کے وسط اول میں حاصل ہو سکا۔

۷۔ بنگال میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت میں جس اہم شخصیت نے کلیدی کردار ادا کیا ہے وہ حضرت قیص قادری علیہ الرحمۃ (۸۹۷ھ تا ۹۹۴ھ) ہیں ان کے والد ماجد سید ابو الحیات علیہ الرحمہ تھے جن کو سیدنا شیخ عبدالرزاق قادری جیلانی (م ۶۲۳ھ) سے سلسلہ کی نسبت حاصل تھی وہ بغداد سے تشریف لا کر قصبہ سادہورہ خضر آباد میں مقیم ہوئے ان کے تذکرہ میں پروفیسر غلام سرور نے لکھا ہے کہ یہی وہ اول بزرگ ہیں جن کی ذات سے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو فروغ ہوا۔ وہ لکھتے ہیں۔

> "ابو الحیات اول بغداد سے ہند میں آئے اور چندے بنگال میں تشریف رکھی پھر قصبہ سادھورہ خضر آباد جو انبالہ کے علاقے میں ہے آئے اور سکونت اختیار کی اور ایک شخص نصراللہ نامی نے جو عامل اور عالم تھے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی اس کے بطن سے سید شاہ قیص پیدا ہوئے جو مادر زاد ولی تھے باپ نے ان کو ظاہری اور باطنی تعلیم دی ہزاروں ان کی ذات بابرکات سے کمالات صوری و معنوی کو پہنچے گویا سلسلہ قادریہ ان کی ذات بابرکت سے ہند میں شائع ہوا ان کی اولاد سادھورہ میں رہتی ہے"۔ (۳۳)

مولوی غلام سرور کی درج بالا تحریر سے اتنا تسلیم کر لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ جس طرح سلسلہ قادریہ کے دوسرے بزرگوں سے اس سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا اسی طرح سید ابو الحیات اور ان کے فرزند و سند حضرت شاہ قیص قادری علیہما الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات نے بھی اس سلسلہ کی اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۸۔ سلسلہ قادریہ رضویہ کے بانی حضرت العلام شیخ احمد رضا قادری علیہ الرحمہ والرضوان (م ۱۹۲۱ء) ہیں انھیں قطب مارہرہ شیخ المشائخ سیدنا ابوالحسین نوری میاں علیہ الرحمۃ والرضوان (م ۱۳۲۴ھ) سے بیعت و خلافت حاصل تھی انہی کے توسط سے یہ سلسلہ حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی علیہ الرحمہ سے ہوتے ہوئے حضرت سیدنا بہاء الدین قادری نظاری دولت آبادی علیہ الرحمہ سے جا ملتا ہے۔

سید بہاء الدین قادری علیہ الرحمہ نے قادریت کا بیش بہا فیضان سرزمین بیت اللہ پر سید

احمد جیلانی سے حاصل کیا اور ہندوستان واپس آکر اسے جاری و ساری فرمایا ہندوستان کی اکثر و بیشتر قادری خانقاہ ہیں ایسی ہیں جن کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ بطور خاص صوبہ اتر پردیش کی اکثر خانقاہوں کا روحانی تعلق آپ ہی کی ذات سے ہے تذکرۃ مشائخ قادریہ رضویہ کے مصنف لکھتے ہیں۔

آپ (سید بہاء الدین) کی ذات مقدس سے ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کی ترویج ہوئی جوق در جوق لوگ آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور آپ کے فیض صحبت سے بیشمار لوگ سلسلہ ارادت میں شامل ہوکر ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئے یہی وجہ ہے کہ آج بھی سلسلہ قادریہ سے کروڑوں افراد منسلک ہیں اور آپ کا فیض روحانی اہل ہند پر جاری و ساری ہے" (۳۴)

حضرت سیدنا بہاء الدین قادری علیہ الرحمہ نے کس سن میں فریضہ حج ادا کیا اس کا پتہ نہ چل سکا ورنہ یہ تعین کرنے میں آسانی ہوتی کہ سیدنا سید محمد اجھری کو ہندوستان میں قادریت کی اشاعت میں تقدم اور اولیت حاصل ہے یا سیدنا بہاء الدین قادری کو۔ سید محمد اجھری علیہ الرحمہ کی سنہ وفات ۹۴۰ھ ہے اور سید بہاء الدین ۹۲۱ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے اس سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے نویں صدی ہجری ہی میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا اور خلق خدا کو اس سلسلہ کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمایا۔

اب تک ہمارے سامنے ارباب فکر و نظر کی جتنی تحریریں آئی ہیں ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ نویں صدی ہجری کے نصف اول میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت خوب ہوئی لیکن اس سے قبل ہی اس سلسلہ کی بنیاد ہندوستان میں پڑ چکی تھی اگرچہ اس حقیقت کا ہمارے بعض مورخین اور دانشوروں نے انکار کیا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ ہندوستان میں تصوف پر لکھنے والوں کا تعلق اکثر چشتیہ سلسلہ یا اور دوسرے سلاسل سے ہے اس لئے وہ قادریت سے متعلق تمامتر مواد فراہم کرنے میں دلچسپی نہ لے سکے اور ایک دوسرے کی تحریروں کا سہارا لے کر آگے بڑھ گئے۔ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ اگر مذکورہ بالا نظریات و خیالات پر 'آمنا' صدقنا کہہ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا عراق میں اس عظیم سلسلہ کی بنیاد پڑنے کے تقریباً دو ڈھائی برس بعد یہ سلسلہ ہندوستان پہنچا' یہ امر انتہائی قابل تعجب ہے۔

جب راقم السطور نے رفع تعجب کیلئے تصوف پر لکھی جانے والی کتابوں کا بالاستیعاب جائزہ لیا تو ایسے حقائق بھی سامنے آئے جن کی نشاندہی اب تک کسی اہل قلم نے نہیں کی تھی۔

۹۔ سلسلہ قادریہ کے ہندوستان میں قیام اور اشاعت کے سلسلہ میں سوائے سید شمیم ڈھاکہ کے تمام ارباب فکرونظر نے نویں صدی ہجری سے ہی اس کی ابتدا کو تسلیم کیا ہے۔ صرف انہوں نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں اس سلسلہ کی بنیاد ہندوستان میں پڑ چکی تھی۔ ان کی تحریروں کی روشنی میں ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی نہ تو بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی حضرت شاہ نعمت اللہ قادری علیہ الرحمہ ہیں اور نہ ہی دوسرے مورخین کی تحریروں کے بموجب سیدنا شاہ بہاء الدین قادری شطاری اور سیدنا محمد غوث گیلانی اوچی علیہما الرحمہ و الرضوان ہیں۔ مقبول الرحیم نقی (پاکستان) کی تحریروں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کی بنیاد ہندوستان میں سید نا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ و الرضوان کے دور حیات ہی میں ان کے فرزند ارجمند سیدنا شیخ تاج الدین عبدالرزاق علیہ الرحمہ و الرضوان (م ۶۲۳ھ) کی آمد سے پڑ چکی تھی۔ آپ ہندوستان میں کس ماہ و سنہ میں تشریف لائے اس کی تحقیق تو نہیں ہو سکی لیکن ان کی تحریروں سے اتنا متحق ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان تشریف لائے اور فیضان قادریہ یہاں جاری فرمایا تذکرہ قادریہ کے مصنف لکھتے ہیں۔

> "برصغیر پاک و ہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کے فیوض و برکات کا سلسلہ ان کی زندگی ہی میں اس سرزمین میں پہنچ گیا تھا سب سے پہلے ان کے بڑے فرزند سید عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد واپس بغداد تشریف لے گئے اس کے بعد سے آج تک برصغیر پاک و ہند سے کسب فیض کیلئے مشائخ اولیاء صلحاء امراء و سلاطین اور عوام الناس کی بغداد آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے"۔ (۳۵)

تذکرہ قادریہ کے مصنف مقبول الرحیم مفتی کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بانی سلسلہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ و الرضوان کی حیات مقدسہ میں ہی یہ سلسلہ ہندوستان کی سرزمین پر پہنچ گیا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ دونوں کی نشوونما سرزمین ہند پر ساتھ ساتھ ہوئی۔

۱۰۔ حضرت شیخ عبداللہ انصاری بدایونی علیہ الرحمہ والرضوان وہ قدیم بزرگ ہیں جن کی ذات سے ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ یہ بزرگ حضرت ابو ایوب انصاری کی اولاد میں سے تھے "جھنڈے والے پیر" سے شہرت حاصل تھی۔ جھنڈے والے پیر کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ سلطان محمد غوری کی سپاہ میں علم بردار رہے۔ اسی مناسبت سے آپ کو جھنڈے والے پیر سے شہرت حاصل ہوئی۔ آپ کا مزار مقدس شہر بدایوں کے کھنڈ ساری محلہ میں مسجد کے عقب میں ایک حریم کے اندر ہے اور اہل بدایوں آپ کو جھنڈے والے پیر ہی کے نام سے جانتے ہیں۔

شیخ عبداللہ انصاری کو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے بے حد عقیدت تھی جو جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا اسے وہ غوثیہ علم کہتے تھے۔ آج بھی ۱۰ ربیع الثانی شب میں اس جھنڈے (غوثیہ علم) کو غسل دے کر غلاف تبدیل کیا جاتا ہے اور فاتحہ ہوتی ہے۔

مردان خدا کے مصنف ضیاء علی قادری لکھتے ہیں:

شیخ عبداللہ انصاری نے شیخ احمد رفاعی سے مرید ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ شریعت و طریقت سے آگاہ قادری المشرب بزرگ تھے۔ اپنے خاندان کے ستر افراد کو ساتھ لے کر بہ نیت جہاد قطب الدین ایبک ۵۹۹ھ میں بدایوں تشریف لائے اور مرتبہ شہادت پایا" (۳۶)

۱۱۔ مدینۃ الاولیاء بدایوں کی سر زمین پر آرام فرما ایک ایسے دوسرے بزرگ کا بھی ذکر ملتا ہے جن کا سلسلہ بیعت و خلافت صرف ان کے والد ماجد کی وساطت سے بانی سلسلہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ و الرضوان سے مل جاتا ہے وہ شخصیت تھی حضرت خواجہ سید عرب بخاری علیہ الرحمہ و الرضوان کی جو سلطان الاولیاء محبوب الٰہی حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء کے رشتے کے نانا ہوتے تھے۔

خواجہ سید عرب بخاری سید اعظم ابو عبید اللہ جعفر ثانی کی اولاد میں سے تھے اجداد کا وطن بخارا تھا بعد میں وہاں سکونت ترک کر کے غزنی چلے آئے تھے۔ یہیں ۵۵۱ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ قطب الدین ایبک کے عہد حکومت میں اہل و عیال کے ہمراہ غزنی سے ہندوستان آگئے اور لاہور میں قیام کیا۔ ۶۰۶ھ میں قبۃ الاسلام کی کشش سے لاہور سے بدایوں تشریف لے آئے اور سوتھا محلہ میں قاضی حسام الدین ملتانی کی مسجد کے قریب مسکن گزین ہو گئے (۳۷)

خواجہ سید عرب بخاری کے والد ماجد خواجہ ابو المفاخر سید نا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ

الرحمہ کے خلیفہ تھے انہوں نے اپنے والد سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔

سید عرب بخاری اپنے زمانے کے ممتاز بزرگان دین میں سے تھے' صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ امیرانہ زندگی بسر کرنے کی عادت تھی۔ فیاضی اور مہمان نوازی میں طاق تھے دوچار مہمان بلاناغہ ان کے دستر خوان پر ہوتے تھے۔ ۱۸۔ شوال ۶۱۸ھ کو وصال ہوا۔ مولانا رضی الدین حسن صغانی نے نماز جنازہ پڑھائی شیخ فتح اللہ شیرازیؒ (م ۶۲۱ھ) اور ملا عبداللہ مکی (م ۶۲۷ھ) نے قبر میں اتارا مزار مقدس اندرون شہر واقع ہے۔ کسی صاحب دل نے قطعہ تاریخ وصال اس طرح لکھا ہے۔

چوں آں سید عرب ماہ طریقت　　بجنت رفت زیں دنیائے فانی
شنیدم از ندائے ملہم غیب　　"نصیریاوراں" تاریخ رحلت (۳۸)

مذکورہ الصدر دونوں بزرگوں کی ہندوستان اور پھر قبتہ الاسلام بدایوں میں تشریف آوری سے بصد وثوق یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا قیام چھٹی صدی ہجری ہی میں ہو چکا تھا۔ اور مذکورہ بالا شواہد سے اس کا پتا بھی چلتا ہے کہ اس سلسلہ کا فروغ رفتہ رفتہ ہونے لگا تھا۔ صرف قبتہ الاسلام بدایوں کی سرزمین پر ایسے چھبیس (۲۶) اولیاء آسودہ خواب ہیں جن کا روحانی تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ ان شواہد کی روشنی میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ نویں صدی ہجری سے قبل ہندوستان میں اس سلسلہ کا وجود نہیں ملتا' اس کا قیام نویں صدی ہجری میں ہوا اور بعد کے ادوار میں اس کی نشرو اشاعت ہوئی۔

مردان خدا کے مصنف ضیاء علی قادری سے راقم نے ان بزرگوں سے متعلق مزید تفصیل کیلئے جب یکم نومبر ۹۴ء کو ملاقات کی اور اس کتاب سے متعلق دریافت کیا جہاں سے مصنف نے اسی واقعہ کو نقل کیا ہے تو وہ فرمانے لگے۔

مردان خدا کا اصلی ماخذ ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) کی تصنیف "کشف الغطافی احوال اصحاب الصفا" ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں تھی اور ۱۹۴۷ء تک بدایوں میں جس گھر میں یہ کتاب تھی اسی گھر میں محفوظ رہی ہنگامہ میں شرر ناتھیوں نے اس گھر کو آگ لگادی اور دوسری کتابوں کے ساتھ یہ کتاب بھی جل کر راکھ ہوگئی۔ البتہ اس کا دوسرا نسخہ لندن کی لائبریری میں محفوظ

ہے۔

مردان خدا کے دوسرے ماخذ میں مولوی عبدالوالی بدایونی کی "باقیات الصالحات" ہے جو فارسی زبان میں بشکل مخطوطہ محفوظ ہے۔ یہ کتاب تقریباً کشف الغطا کا چربہ ہے۔ تاریخ اولیائے بدایوں غالباً اسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے۔

خان بہادر مولوی رضی الدین فرشوری نے تذکرۃ الواصلین کے نام سے شیخ اکرام اللہ محشر بدایونی کی فارسی تصنیف "روضہ صفا" کا ترجمہ کیا تھا۔ ترجمہ نظامی پریس بدایوں سے شائع ہو چکا ہے اصل کتاب طباعت کی منتظر ہے۔ روضہ صفا کا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں بھی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ "طبقات الاولیاء فی مدینۃ الاولیاء جسے جامع بصیرین بھی کہا جاتا ہے سے استفادہ کیا ہے۔"

ضیاء علی بدایونی کی گفتگو اور ماخذ کے طور پر استعمال کی ہوئی کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ انہوں نے مردان خدا میں لکھا ہے وہ مستند حوالوں کی روشنی میں لکھا ہے اگر مصنف ان حوالوں کی نشاندہی اپنی وقیع تصنیف میں فرما دیتے تو کتاب صرف مستند ہی نہ ہوتی بلکہ اس کی وقعت میں مزید چار چاند لگ جاتے۔

۱۲۔ شیخ محمد بن احمد قطب الدین مدنی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ والرضوان کے بھانجے ہیں۔ اپنے ماموں کی وفات کے ۲۰ سال بعد ۵۸۱ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (۳۹) اپنے ماموں زاد بھائی سیدنا عبدالرزاق قادری علیہ الرحمہ (م ۶۰۳ھ) اور حضرت سیدنا نجم الدین کبری (م ۶۱۷ھ) علیہ الرحمہ سے استفادہ کیا۔

فتنہ مغول کے وقت جب والد ماجد کی شہادت ہوگئی تو ترک وطن کر کے غزنی چلے آئے اور وہاں مدتوں قیام کیا وہیں سے ہندوستان میں درود مسعود ہوا۔ شیخ ابراہیم سامرانی لکھتے ہیں کہ آپ کی تشریف آوری ہندوستان بغرض جہاد ہوئی تھی۔ آپ مجاہد بن کر یہاں تشریف لائے تھے اصل عبارت یہ ہے۔

لعلہ فی ایام قطب الدین ایبک فجاھد معہ فی سبیل اللہ وفتحت علی یدہ الکریمۃ قلعہ کرد و مانکپور وھنسود وغیرھا من القلاع الحصینۃ وکان السلطان شمس الدین الایلتمش یکرمہ غایۃ الاکرام (۴۰)

شیخ محمد بن احمد کی کاوشوں اور حسن تدبیر سے قلعہ کڑہ و مانکپور فتح ہوا ایک عرصہ تک آپ وہاں رشد و ہدایت کا اہم فریضہ انجام دیتے رہے کڑہ و مانکپور اور اس کے اطراف و نواح میں جو اسلام کی روشنی نظر آ رہی ہے وہ آپ کے قدوم میمنت لزوم کا نتیجہ ہے۔ ۳۔ رمضان المبارک ۶۷۷ھ کو آپ اللہ کو پیارے ہوئے، مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔

مذکورہ بالا واقعات کی روشنی میں یہ بصد وثوق کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں قادریت کی داغ بیل چھٹی صدی ہجری میں پڑ چکی تھی اور خود بانی سلسلہ قادریہ کے بھانجے نے اس سرزمین کو قادری فیوض و برکات سے مالا مال فرمایا تھا۔

۱۳۔ بانی سلسلہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ والرضوان کے فرزند ارجمند حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوھاب قادری علیہ الرحمہ والرضوان (۵۱۲ھ - ۶۰۳ھ) ناگور شریف (راجستھان) میں آسودہ خواب ہیں جب اس کی روایت راقم السطور کو کئی ارباب علم و فن کے ذریعہ ملی تو اس کی تحقیق کی فکر دامن گیر ہوئی اور دوران تحقیق مجھ کم سواد کی رسائی ایک ایسے مخطوط تک ہوئی جس کے مصنف محمد یوسف بن مولانا سید محمد نصیرالدین بخاری ہیں اور مخطوطہ کا نام "عین القلوب العارفین" ہے اس کتاب کی تصنیف سے مصنف کو ۹۔ ذی الحجہ ۱۱۵۰ھ کو فراغت حاصل ہوئی جیسا کہ خود مصنف لکھتے ہیں۔

"ایں چند اوراق جمع کردہ، نام ایں مختصر عین القلوب العارفین کردہ شد در سنہ یکہزار و یکصد و پنجاہ بماہ ذی الحجہ تاریخ نہم اختتام یافت، اللھم ارزقنا صراط المرسلین والانبیاء الصالحین آمین (۴۱)"

مصنف نے اس کتاب میں سیدنا سلطان الہند خواجہ معین الحق والدین چشتی اجمیری سجزی علیہ الرحمہ کی ہندوستان میں آمد و سبب آمد سے متعلق تمام واقعات شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے کہ خواجہ صاحب نے جب ہندوستان میں تشریف ارزانی فرمائی تھی اس وقت آپ کے ہمراہ سیدنا سیف الدین عبدالوھاب قادری علیہ الرحمتہ و الرضوان تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں قادریت اور دونوں سلاسل ایک ساتھ اشاعت پذیر ہوئے اور ان دونوں کے روحانی دھارے ہندوستان میں ساتھ ساتھ ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل کیلئے درج ذیل امور کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

مصنف کتاب میر محمد یوسف راحت القلوب الواصلین اور محبوب المعانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب سلطان الھند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمتہ کی عمر شریف ۲۲ سال کی ہوئی تو زیارت حرمین شریفین کیلئے تشریف لے گئے اور تقریباً ساڑھے پانچ ماہ مدینہ منورہ شریف میں مقیم رہے اس اقامت کے دوران بارگاہ نبوت میں روزانہ حاضری ہوتی وہیں صبح و شام گذارتے اور اپنی ریش مبارک سے اس مقدس بارگاہ کی جاروب کشی فرماتے۔ ایک دن آپ مراقبہ فرمارہے تھے کہ دوران مراقبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ارشاد نبوی ہوا کہ اے فرزند عزیز یہاں آنے کا سبب کیا اور اس قدر محنت و مشقت کیوں؟ تو خواجہ صاحب نے فرمایا میرے تمام حالات سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ آپ سے مجھے امید ہے کہ آپ مجھے کسی ملک کی ولایت سے سرفراز فرمائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھیں تو اللہ تبارک تعالی نے روز ازل ہی سے ہندوستان کا والی بنا دیا ہے۔ جاو ہندوستان چلے جاؤ تو آپ نے فرمایا! آقا ہندوستان تو کافروں کا ملک ہے وہ کبھی بھی میرے مطیع و فرمانبردار نہ ہوں گے۔ مجھے تو آپ عراق کا والی بنا دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ملک عراق تو شہاب الدین سہروردی کیلئے مقدر ہو چکا ہے آپ نے مزید اصرار فرمایا تو ارشاد نبوی ہوا کہ دختر ولایت میرے فرزند عزیز عبدالقادر الجیلانی کے پاس ہے بغداد جا کر ان سے اپنی تمنا ظاہر کرو ۔ حضرت خواجہ معین الدین بحکم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لائے اور بارگاہ غوثیت میں حاضری دے کر اپنی تمنا ظاہر کی مصنف نے لکھا ہے۔

"بہ بغداد در آمدند و بشرف ملاقات آں غوث الثقلین مشرف شدہ بخدمت فیض منزلت آنحضرت ماندہ گفت مرا ولایتے بخشیدہ زدو تر رخصت فرمایند" (۴۲)

خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کی اس گفتگو سے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ مسکرائے اور فرمایا آپ کیلئے ہندوستان ہی ہے جیسا کہ میرے جد امجد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لہٰذا جس قدر جلد ممکن ہو آپ ہندوستان تشریف لے جائیں۔ سلطان الہند خواجہ اجمیر نے جب عراق کی تمنا ظاہر کی تو غوث اعظم علیہ الرحمہ والرضوان نے فرمایا شہاب الدین جو ابھی کم سن ہے جب وہ سن تمیز کو پہنچے گا تو وہ بھی کسی ملک کی ولایت طلب کرے گا تو یہ

ملک عراق اسی کو عطا کیا جائے گا۔ شیخ نور اللہ نے بھی لطائف القادریہ میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ لوگوں کی تربیت کیلئے مجھے عراق کا علاقہ عنایت فرمائیں تو غوث پاک نے فرمایا۔

اعطیت العراق شھاب الدین عمر السھروردی و اعطتیک الھند (۴۳)

اس گفت و شنید کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر آپ کی رضا ہندوستان ہی جانے میں ہے تو "حضور خود ہمراہ من برائے استمداد و معاونت بندہ جانب ہند نزول فرمایند" (۴۴)

حضور میری امداد و اعانت کیلئے آپ خود میرے ساتھ ہندوستان تشریف لے چلیں۔ تو غوث پاک نے فرمایا۔

مرا از حق تعالی امرے نیست کہ از بغداد بیرون روم (۴۵)

خدا تعالی کی جانب سے مجھے بغداد سے باہر کہیں جانے کی اجازت نہیں ہے:

جب سیدنا غوث پاک علیہ الرحمتہ کسی طرح ہندوستان آنے کیلئے تیار نہ ہوئے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ صاحبزادگان میں سے ہی کسی کو میری مدد کیلئے میرے ساتھ کر دیں۔ غوث پاک نے فرمایا کہ میرے تمام لڑکے آپ کے سامنے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں جسے آپ حکم دیں آپ کے ساتھ کر دوں مصنف لکھتے ہیں۔

نظر خواجہ حضرت سید عبدالوہاب قدس سرہ افتاد بالفور دریافت کہ ایں حبیب کبریا است کہ نور معرفت الہی از قلب وے می تابد۔ گفت شیخ عبدالوہاب سیف الدین اکبر را برائے معاونت و استمداد من فرمایند" (۴۶)

"خواجہ کی نظر سیدنا عبدالوہاب سیف الدین پر پڑی تو فرمایا کہ یہ اللہ کا دوست ہے نور معرفت الہی اس کے دل سے روشن ہے اس بڑے لڑکے کو آپ میری امداد و اعانت کیلئے میرے ساتھ کر دیں"

سیدنا غوث پاک علیہ الرحمہ والرضوان نے حضرت خواجہ کی مرضی کے مطابق اپنے بڑے فرزند حضرت سیف الدین عبدالوہاب اور ان کی زوجہ بی بی عائشہ اور ان کے خادم مظفر کو خواجہ کے ہمراہ ہندوستان جانے کا حکم دے دیا اور بطور نشانی اپنے فرزند کو ابریق اور عصا اور حضرت

خواجہ کو آفتابی اور کھڑاوں مرحمت فرمائی۔ یہ چار نفری قافلہ بغداد سے اشاعت اسلام کی خاطر ہندوستان روانہ ہو گیا۔

ہمارے بعض مورخین نے خواجہ صاحب کے اس سفر کو سفر سیاحت سے تعبیر کیا ہے۔ ممکن ہے خواجہ صاحب نے ہندوستان کے کئی اسفار کئے ہوں لیکن پہلا سفر بغرض سیاحت رہا ہو یہ بات کم از کم میرے نزدیک بعید از عقل ہے۔

۵۵۰ھ میں خواجہ صاحب کی ملاقات سیدنا غوث پاک سے ہوئی۔ بعض نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لائے۔ اور بعض نے لکھا ہے سمرقند و بخارا سے بغداد تشریف لائے اس بات کا بھی امکان ہے کہ مدینہ سے سمرقند و بخارا گئے ہوں اور وھاں سے بغداد تشریف آوری ہوئی ہو یا اس کے برعکس ہوا ہو۔ بہرحال سلسلہ ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے معین الارواح کے مصنف لکھتے ہیں۔

سمرقند و بخارا سے آپ نے سفر عراق بیس سال کی عمر میں اختیار فرمایا۔ عراق عرب سے عرب تشریف لے گئے بعد ازاں ہارون میں پہنچے پھر بغداد آئے (۴۷)۔ عراق عرب میں آپ نے بار اول حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے ۵۵۰ھ میں ملاقات کی۔ اس ملاقات اول کے موقعہ پر غوث پاک نے آپ کو ابتدائی حال میں دیکھ کر فرمایا "یہ مرد مقتدائے روزگار ہے بہت سے لوگ اس سے منزل مقصود کو پہنچیں گے۔ (۴۸)

تذکرہ آرائش محفل کے حوالے سے مصنف سیر الاقطاب ص۱۰۶ اور مصنف احسن السیر ص ۱۳۴ میں لکھتے ہیں کہ دوران ملاقات جب آپ نے سفر ہندوستان کا حصہ ظاہر فرمایا تو بقول افاضات حمید (ص ۱۳) غوث الاعظم نے فرمایا کہ اے معین الدین سرحد ہند پر ایک شیر بیٹھا ہے اس سے ڈرنا" یہ کنایہ شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش کے مزار کے متعلق تھا۔ (۴۹)

خواجہ صاحب کی سنہ ولادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ مورخین آپ کی ولادت کے سنین ۵۲۳ھ ۵۲۷ھ، ۵۳۳ھ، ۵۳۶ھ اور ۵۳۷ھ لکھتے ہیں۔ مصنف عین القلوب العارفین کے بموجب خواجہ صاحب نے ۲۲ سال کی عمر میں مدینہ منورہ شریف حاضری دی اور وہاں پانچ ماہ کچھ دنوں قیام فرما کر بغداد تشریف لے گئے اور ۵۵۰ھ میں سیدنا غوث پاک سے بغداد شریف میں ملاقات کی۔ ان تفصیلات سے آپ کی سنہ ولادت ۵۲۷ھ متعین ہو سکتی ہے۔ ان تفصیلات سے

یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سیدنا شیخ خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمتہ نے ۲۳ سال کی عمر میں اشاعت دین حق کی خاطر سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ والرضوان کے حکم سے ان کے بڑے صاحبزادہ سیدنا سیف الدین عبدالوہاب کے ہمراہ ہندوستان کا سفر کیا۔ ہندوستان پہنچنے کے بعد کیا ہوا خواجہ صاحب اور ان کے ہمراہیوں نے کن کن مشکلات کا سامنا کیا اس کی تفصیل خواجہ صاحب کی سوانح حیات سے متعلق لکھی جانے والی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت سیدنا عبدالوہاب قادری علیہ الرحمہ و الرضوان خواجہ صاحب کے ہمراہ اجمیر شریف کے علاقہ میں تقریباً چھ ماہ رہے اسی دوران آپ نے اجمیر شریف کی پہاڑی کے اوپر ایک چلہ بھی فرمایا جو آج چلہ پیران پیر کے نام سے مشہور ہے۔ حضور سیدنا غوث پاک جب کبھی ہندوستان تشریف ہی نہیں لائے تو کوہ اجمیر پر چلہ فرمانے کا کیا مطلب؟ بلاشبہ یہ ان کے صاحبزادہ سیدنا عبدالوہاب قادری کا چلہ ہے جو آپ کے والد ماجد سیدنا غوث پاک علیہ الرحمہ و الرضوان کی طرف منسوب ہو گیا ہے۔ آج بھی وہ چلہ موجود ہے اور زائرین کثرت سے زیارت کیلئے وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔

سیدنا عبدالوہاب قادری علیہ الرحمہ والرضوان عمر میں خواجہ صاحب سے تقریباً ۱۵ سال بڑے تھے ۔ اس وجہ سے خواجہ صاحب انہیں بہت عزت بخشتے تھے۔ جب چھ ماہ کی مدت دونوں حضرات ایک ساتھ گذار چکے تو خواجہ صاحب تو اجمیر میں ٹھہر گئے اور سیدنا عبدالوہاب قادری علیہ الرحمہ اشاعت دین حق کی خاطر اپنی زوجہ بی بی عائشہ اور اپنے خادم مظفر کو لے کر سیرو سیاحت کرتے ہوئے جانب عراق چلے گئے۔

بغداد سے ہندوستان روانہ ہوتے وقت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ نے اپنے فرزند اکبر سیدنا عبدالوہاب کو ابریق (کوزہ) کے ہمراہ عصا عنایت فرماتے وقت یہ فرمایا تھا۔

اے فرزند من بفاصلہ چہل کروہ از بلدہ اجمیر جانب گوشہ عراق ہرجا عصائے تو قرار گیرد آنجا مبارک و میمون جائے مسکن و ماوائے شما خواہد بود" (۵۰)

اے میرے فرزند عزیز اجمیر شہر سے جانب گوشہ عراق چالیس کوس کے فاصلہ پر جہاں عصا ٹھہر جائے وہ مبارک جگہ ہو گی وہیں قیام کر لینا"۔

حضرت سیدنا عبدالوہاب قادری علیہ الرحمہ والرضوان شہر اجمیر سے چل کر چالیس کوس کے فاصلہ پر اس جنگل میں پہنچے جو کسی زمانے میں سوالکھ کے نام سے مشہور تھا جنگل انتہائی پر خطر تھا ہر قسم کے درندے اور موذی جانور وہاں موجود تھے۔ یہ وہی جنگل تھا جس میں کسی زمانے میں ہندوؤں کے پانچ پانڈو کسی اونچی جگہ بیٹھ کر پرستش کیا کرتے تھے اس جگہ کی اہمیت اور عظمت کی بنا پر راجہ راوانا اور راجہ رائے پتھورانے وہاں تین لاکھ روپے کی لاگت سے ایک خوبصورت دیدہ زیب مندر کی تعمیر کروا دی تھی جس میں پرستش کرنے کیلئے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے۔

میر محمد یوسف نے عین القلوب العارفین میں تاریخ عمادی کے حوالے سے لکھا ہے کہ رائے پتھورا نے اس جنگل میں اپنے گھوڑوں کیلئے اصطبل اور چھاؤنی بھی تعمیر کرائی تھی اور اس نئی آبادی کا نام اس نے نو نگر رکھا تھا۔ یہ نونگر وہی آبادی ہے جو آج امتداد زمانہ اور کثرت استعمال سے "ناگور" کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ (۵۱)

اس پر خطر جنگل میں مندر سے تھوڑی دوری پر آپ کا عصا ایک پیڑ کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ زمین نے اسے اچھی طرح اپنی گرفت میں لے لیا تو سیدنا عبدالوہاب قادری کو اپنے والد ماجد کی وصیت یاد آئی اور دو رکعت نماز شکر ادا کر کے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اگرچہ وہ جنگل انتہائی پر خطر تھا لیکن سیدنا غوث پاک نے فرمایا تھا۔

> "بفضل آں خالق دو جہاں زمین مذکور معمور و آباد خواہد شد و نیز مزار تو در آنجا خواہد گردید و اولاد و مسند و خلیفہ ھائے تو کثیر باشند و سلسلہ تو بفضل او تعالی بقیام قیامت جاری خواہد ماند وہم چنان ہزبران قادری از پشت تو موجود آیند کہ ہمہ عالم را از کرامتہائے خویش پر خو آہند گردانید" (۵۲)

> "خدا کے فضل وکرم سے وہ زمین آباد ہو جائے گی اور تمہارا مزار بھی وہیں بنے گا۔ تمہاری اولاد کثرت سے ہوں گی خلفاء بیشمار ہوں گے تمہارا سلسلہ تا قیام قیامت جاری رہے گا ایسے ایسے قادری اکابر بزرگ تمہاری پشت سے عالم وجود میں آئیں گے کہ دنیا کو اپنی کرامتوں سے پر کر دیں گے"

سیدنا عبدالوہاب قادری نے اپنے والد ماجد کی وصیت کی روشنی میں بڑے اطمینان و

سکون کے ساتھ اس درخت کے نیچے سکونت اختیار فرمائی۔ دن بھر وہ حضرات روزہ رکھتے اور شام کو انہی درختوں کے پھلوں سے افطار کرتے۔ کبھی درختوں کے نیچے اور کبھی مندر کے صحن میں دن گذارتے۔

رائے پتھورا کی لڑکی راج کنور سال میں دوبار اس جنگل میں سیرو تفریح کیلئے آیا کرتی تھی۔ اس نے اپنے والد سے وہ جنگل اور نونگر آبادی بغرض سیرو تفریح اپنی جاگیر میں لے رکھی تھی۔ سیدنا عبدالوہاب قادری کو اس پر خطر جنگل میں مندر کے پاس پڑاو ڈالے چند یوم ہی گذرے تھے کہ رائے پتھورا کی دختر ماہ پیکر ایک ہزار سوار اور اسی نونگر آبادی سے ۹ سو پاپیادہ لوگوں کو ہمراہ لیکر بغرض سیرو تفریح جنگل میں مندر کے پاس پہنچی۔ عصر کا وقت تھا حضرت سیدنا عبدالوہاب قادری علیہ الرحمہ و الرضوان اس بت خانہ کے صحن میں نماز عصر ادا فرمارہے تھے۔ اس پر خطر جنگل میں اس تین نفری قافلے کو دیکھ کر سواروں کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ان میں سے چند نے آپ کے خادم مظفر سے دریافت کیا کہ آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کس طرح آنا ہوا۔ حضرت مظفر نے فرمایا ہم لوگ اللہ کے بندے ہیں اور اشاعت اسلام اور تردید کفر کیلئے اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور غوث الثقلین سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ والرضوان کے مشورہ سے بغداد سے چل کر یہاں آئے ہیں ۔ مندر کے صحن میں جو شاہزادہ مصروف عبادت ہیں وہ سیدنا غوث الثقلین علیہ الرحمہ و الرضوان ہی کے فرزند ارجمند ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ بھیڑ منتشر ہوگئ اور جاکر رائے پتھورا کی دختر ماہ پیکر راج کنور سے پورا قصہ کہہ سنایا۔ یہ قصہ سن کر وہ متعجب بھی ہوئی اور برہم بھی۔ اس نے اپنے سواروں سے کہا جاؤ انھیں قتل کر کے میرے پاس لے آو۔ وہ فوجی سوار تعمیل حکم کیلئے جیسے ہی بت خانہ میں داخل ہوئے اور ان کی نگاھیں حضرت سیدنا عبدالوہاب قادری کے جمال جہاں آرا پر پڑیں سب کے سب دم بخود رہ گئے۔ بدن میں حرکت کرنے کی سکت نہ رہ گئی۔ ان کی بے بسی کو دیکھتے ہوئے آپ نے فرمایا تم کون ہو' یہاں کس لئے آئے ہو۔ ان سواروں نے بڑے عاجزانہ لب و لہجے میں کہا ہم لوگ دختر رائے پتھورا راج کنور کے نوکر ہیں۔ اسی کے حکم سے آپ کا سر قلم کرنے یہاں آئے ہیں۔ ان لوگوں کے اس ناپاک ارادے کی خبر ہوتے ہی آپ نے بارگاہ مستجاب الدعوات میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے مولی یہ بندہ ضعیف اس دیار میں تنہا ہے اور دختر راجہ

نے میرا خون ناحق بہانے کیلئے سواروں کو بھیجا ہے، ایسی صورت میں سارا معاملہ تیرے سپرد ہے۔

سپردم بتو مایہ خویش را　　　تو دانی حساب کم و بیش را

یہ دعا فرماتے ہی اچانک ایک بہت بڑا کالا سانپ اسی جنگل سے نمودار ہوا اور ان سپاہیوں کو جو آپ کا سر قلم کرنے کی نیت سے آئے تھے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس حیرت زدہ واقعہ سے دختر راجہ راج کنور اور اس کے فوجی بہت گھبرائے اور خوفزدہ ہو کر خود دختر راجہ دوسرے دن صبح آفتاب طلوع ہوتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عجز و نیاز مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی اے دستگیر در منداں اور اے چارہ ساز بے چارگاں ہمارے سواروں کو اس مصیبت سے نجات دلایئے، آپ نے جواباً ارشاد فرمایا جب تک تم شرف اسلام سے مشرف اور عزت اسلام سے معزز نہیں ہو جاتی ہو اس قید سے رہائی ممکن نہ ہوگی ۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اس مقلب القلوب نے دختر راجہ اور ان سواروں کے دلوں میں اسلام کے لئے محبت ڈالدی۔ دختر راجہ کے اسلام قبول کرتے ہی ایک ہزار سوار اور نو سو پیادے سب کے سب دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے اور اس قید سے انھیں نجات مل گئی۔ (۵۳)

دختر راجہ اسلام قبول کرتے ہی آپ کی زوجیت میں آ گئی (۵۴) اور وہ جگہ جو کسی زمانے میں پر خطر جنگل تھا آپ کے قدوم میمنت لزوم نے اسے اس طرح سر سبز و شاداب بنا دیا کہ آج فیوض و برکات کے نہ جانے کتنے چشمے اس زرخیز علاقہ اور مردم خیز خطہ میں رواں دواں ہیں۔

سیدنا عبدالوہاب قادری علیہ الرحمہ والرضوان کی وفات ۲۵ شوال ۶۰۳ ھ کو ہوئی اور ناگور شریف راجستھان میں دفن ہوئے جیسا کہ آپ کے والد ماجد سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تمہارا مزار ناگور میں ہوگا۔ (۵۵) لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ کا مزار مقدس بغداد شریف میں ہے۔ (۵۶)

ہندوستان تشریف لانے کے بعد وہ بغداد شریف اس وقت واپس تشریف لے گئے جب آپ کے والد ماجد سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے وصال کا وقت قریب ہوا اور تکفین و تدفین کے بعد پھر ہندوستان واپسی ہو گئی تھی۔ یہ سب کچھ حسب وصیت ہوا تھا جیسا کہ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین میں تحریر فرماتے ہیں۔ سیدنا غوث پاک نے سیدنا عبدالوہاب علیہ

الرحمتہ کو ہندوستان روانہ کرتے وقت جو وصیت فرمائی تھی اس میں یہ بھی وصیت تھی۔

"چوں وقت اجل من قریب خواہد رسید از خداوند کریم الہام بتو رسد' پس شتاب بیاو دیری مکن۔ فی الحال طنا بہائے زمین بکشند و ترا من زود رسانند تا دیدار تو بہ بینم۔ چون من از یں جہاں فانی بدار جاودانی روم تکفن و تدفن کردہ زود بہ مسکن خود روی" (۵۷)

"جب میری وفات کا وقت قریب ہوگا خدا کی طرف سے تمہیں الہام ہو جائے گا اس وقت جلدی آ جانا دیر مت کرنا مجھ تک تمہیں جلدی پہنچانے کیلئے زمین کی طنابیں کھینچ جائیں گی ۔ یہاں تک کہ میں تمہارا دیدار کر لوں گا۔ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاوں گا تو میری تکفین و تدفین کر کے تم اپنے مسکن (ہند) واپس چلے جانا" اس وصیت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہندوستان واپس تشریف لائے اس لئے آپ کے مزار مقدس کا ناگور میں ہونا بعید از عقل نہیں۔ قادری فیضان آپ کے مزار مقدس سے روز و شب جاری ہے اور ایک خلقت آپ کے مزار مقدس پر حاضری دے کر اپنے دامن کو آپ کے فیض سے لبریز کر رہی ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر و باحر ہے کہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ دونوں ایک ہی ساتھ سیدنا غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ و الرضوان کی اجازت سے ان ہی کے دور حیات میں ہندوستان آئے اور ان دونوں بزرگوں نے جس نظم و ضبط کے ساتھ اشاعت دین حق کا اہم فریضہ انجام دیا اس کی تفصیل قدرے سطور بالا میں گذر چکی ہے۔ اس کھلی حقیقت کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ سلسلہ قادریہ کو ہندوستان میں زیادہ فروغ نہیں مل سکا' اس لئے وہ شمار کے قابل نہیں تعجب خیز ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی ہندوستان میں سلاسل کی آمد سے متعلق رقم طراز ہیں۔

"سلسلے کی باقاعدہ تنظیم اور خلفاء و جانشین نامزد کرنے کا طریقہ تقریباً چھٹی صدی ہجری سے ملتا ہے۔ سلسلوں کی تنظیم کے بعد پہلے چشتی اور سہروردی سلسلے ہندوستان آئے۔ پھر نقشبندی آئے یہی تین بڑے سلسلے ہیں دوسرے سلسلے یہاں

دیر میں پہنچے اور زیادہ فروغ بھی نہیں پا سکے اس لئے ہم انھیں نہیں گنا رہے ہیں" (۵۸)

مذکورہ بالا عبارت کئی وجوہ سے توجہ کی طالب ہے " سلاسل میں خلفاء و جانشینی نامزد کرنے کا طریقہ تقریباً چھٹی صدی ہجری سے ملتا ہے۔ اگر اس عبارت سے مراد صرف اور صرف ہندوستان ہے تو بلاشبہ مبنی بر صداقت ہے۔ اس لئے کہ جب سلاسل ہی چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان آئے تو اس سے قبل خلفاء و جانشینی کیا معنی؟ لیکن "المعلق یجری علی اطلاقہ" کے بمصداق اگر اس سے مراد عام ہے تو غور طلب ہے اس لئے کہ ابتدائے اسلام ہی سے خلیفہ اور جانشین نامزد کرنے کا تصور ملتا ہے۔ مشائخ جس کو اپنا جانشین بناتے تھے اسے اپنا خرقہ پہناتے تھے یہ خرقہ تین طرح کا ہوتا تھا۔

(۱) خرقہ اجازت (۲) خرقہ ارادت (۳) خرقہ تبرک

مشائخ کبار کے یہاں جو خرقہ پوشی کی رسم ادا کی جاتی تھی اس سے مراد خرقہ اجازت و جانشینی ہوتا تھا۔ یہ رسم ابتدائے اسلام سے ہی ثابت ہے اس میں زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہے۔ لیکن اس رسم کی شہرت سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمتہ و الرضوان (م ۲۹۷ھ) کے زمانے سے ہوتی ۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"چوں خواہند کہ مجے را از محبان خود اجازت طریقہ دہند و او را نائب خود سازند در تلقین صحبت با طالبان و اخذ بیعت و اعطائے خرقہ اور اخرقہ دہند و شرط آں قبولیت ایں معنیست" (۵۹)

"اہل سلوک اپنے دوستوں میں سے کسی کو طریقت کی اجازت اور تلقین و مصاحبت میں اپنا نائب اس لئے بنانا چاہتے ہیں کہ وہ طالبوں سے بیعت لے اور خرقہ عطا کرے تو اسے وہ خرقہ پہناتے ہیں شرط یہ ہوتی ہے کہ اسے تمام امور قابل قبول ہیں۔"

باب تصوف میں خرقہ بمنزلہ سند ہوتا تھا اور صوفیوں کا وہی سلسلہ مستند مانا جاتا ہے جس کی سند بغیر کسی قطع و برید کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ ٹھیک اس طرح

جس طرح باب احادیث میں ہوتا ہے یعنی وہی حدیث مستند مانی جاتی ہے جس کی سند بغیر کسی قطع و برید کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ و الرضوان کا روحانی سلسلہ جن مشائخ اور بزرگان دین کے توسط اور توسل سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کو روحانیت کی سند ملی حضرت حماد بن مسلم و باس (م ۵۵۰ھ) سے انھیں سند ملی ابو سعید علی مبارک مخزومی (م ۵۰۷ھ) سے، انہیں سند ملی ابو الحسن علی قرشی الھنکاری (م ۴۹۱ھ) سے، انہیں ابو الفرج محمد یوسف طرطوسی (م ۴۸۶ھ) سے، انہیں عبدالواحد تمیمی (م ۴۲۵ھ) سے، انہیں عبدالعزیز یمنی (م ۴۰۱ھ) سے، انہیں ابوبکر شبلی (م ۳۵۰ھ) سے، انہیں جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) سے، انہیں سری بن المغلس السقطی (م ۲۵۰ھ) سے، انہیں معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) سے، انہیں داود طائی (م ۱۶۵ھ) سے، انہیں حبیب عجمی (م ۱۳۰ھ) سے، انہیں خواجہ حسن بصری (م ۱۱۰ھ) سے، انہیں حضرت علی مرتضیٰ اکرم اللہ وجہ الکریم (م ۴۰ھ) سے۔ (۶۰)

پھر سیدنا غوث پاک علیہ الرحمہ و الرضوان سے یہ سلسلہ جس نظم و ضبط کے ساتھ عالم عرب ہی میں نہیں عالم اسلام میں پھیلا اس کی تفصیل تذکرہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کے خلفاء و جانشینوں کے علاوہ ان کے صاحبزادگان کے ذریعہ بلاد عرب اور برصغیر میں جس طرح اس سلسلہ کی اشاعت ہوئی گذشتہ اوراق میں اس کا اجمالاً ذکر گذر چکا ہے۔

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کو تمام خلفائے راشدین کے خرقے ملے تھے۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب خرقہ انھیں شیخ احمد اسود دینوری اور امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم کا خرقہ انھیں حضرت ابو الخیر اور حضرت عثمان غنی ذوالنورین کا خرقہ انھیں شیخ سعید محمد مغربی رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے ملا۔ ان کے علاوہ انھیں حسنی اور حسینی خرقے بھی ملے تھے جن کی تفصیل تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ نامی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے (۶۱)۔ تصوف کا یہ سلسلہ منظم طور پر ابتدائے اسلام سے ہی جاری و ساری ہے البتہ خانقاہی نظام کا پتا دوسری صدی ہجری سے چلتا ہے۔ عبدالرحمن جامی (م ۸۸۹ھ) نے نفحات الانس میں ابو ہاشم کوفی کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

"اول خانقاهے کہ برائے صوفیا بنا کردند آنست کہ بہ رملہ شام کردند" (۶۲)

پہلی خانقاہ صوفیوں کیلئے رملہ شام میں تیار کرائی گئی۔

خانقاہ کی ضرورت اور اس کے اسباب و وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

ایک دن ایک امیر شکار کیلئے نکلا۔ دوران شکار اس کی ملاقات ایسے دو آدمیوں سے ہوئی جو ایک دوسرے کے پہلو میں ہاتھ ڈالے ہوئے چل رہے تھے۔ چلتے چلتے دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے اور جو کچھ ان دونوں کے پاس تھا نکال کر کھانے لگے امیر یہ سارا ماجرا دیکھتا رہا۔ امیر کو ان کی یہ روش بہت پسند آئی۔ جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو ان میں سے ایک کو اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا کہ وہ دوسرا آدمی کون ہے۔ اس شخص نے جواب دیا مجھے خبر نہیں پھر پوچھا کیا تمہارے بارے میں اس کو خبر ہے کہا نہیں پھر امیر نے متعجب ہو کر پوچھا تم دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے ہو پھر اس قدر آپس میں میل و محبت کیسے! امیر کی اس تعجب خیز گفتگو کو جواب دیتے ہوئے اس شخص نے جواب دیا کہ ہم لوگ درویش ہیں اور ہم لوگوں کا یہی طریقہ ہے۔ امیر نے پھر کہا کیا تم لوگوں کیلئے کوئی ایسی جگہ ہے جہاں بیٹھ کر آپس میں میل و محبت کی باتیں کر سکو۔ اس درویش نے کہا نہیں اس امیر نے کہا ٹھیک ہے میں ایک ایسی عمارت تیار کراتا ہوں جہاں تم لوگ اکٹھے ہو کر گفتگو کر سکو گے چنانچہ اس امیر نے رملہ شام میں ایک خانقاہ کی تعمیر کرائی۔ (۶۳) عبداللہ انصاری نے بھی خانقاہ کی ابتدا سے متعلق اس قسم کا نظریہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے جس سے سطور بالا کی تائید ہوتی ہے۔ (۶۴)

مذکورۃ الصدر شواہد و براہین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صوفیا کا یہ روحانی سلسلہ باقاعدہ تنظیم کے ساتھ خانقاہی انداز میں دوسری صدی ہجری سے جاری و ساری ہے اور موجودہ چار مشہور سلاسل کے وجود میں آنے سے قبل اس دور کے دوسرے مشائخ عظام مسند جانشینی پر رونق افروز ہو کر رشد و ہدایت کا اہم فریضہ انجام دیتے رہے۔ لیکن جب یہ چار سلاسل وجود میں آئے تو انہوں نے وجود میں آتے ہی اتنی شہرت حاصل کر لی کہ اس دور کے دوسرے سلاسل پردہ خمول میں چلے گئے۔ آج عالم اسلام میں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل کو جو شہرت حاصل ہے وہ دیگر سلاسل کو نہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے جو سلاسل وجود پذیر ہیں وہ یا تو براہ راست انہی سلاسل کی شاخیں ہیں یا ان سے فیض یافتہ ہیں۔

دیگر تین سلاسل کی طرح برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ قادریہ کو بھی بے حد فروغ حاصل ہوا۔ آج بھی برصغیر کی بیشتر خانقاہیں ایسی ہیں جہاں چشتی آداب و رسوم کو پوری طرح ملحوظ رکھا جاتا ہے وہاں بھی بیعت قادریہ میں لی جاتی ہے۔ اور طالب چشتیہ میں کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی معدودے چند خانقاہوں کو چھوڑ کر شاید ہی کوئی ایسی خانقاہ ہو جہاں قادری فیضان نہ پہنچا ہو۔

سلسلہ قادریہ کے اصول و ضوابط اوراد و مشاغل چونکہ سخت ہوتے ہیں اس لئے اس کی طرف عوام نے کم علماء نے زیادہ توجہ کی شاید اس وجہ سے اس سلسلہ کی شہرت عوامی انداز سے نہ ہو سکی۔ عدم تشہیر کی دوسری وجہ اس کیف و سرور کا فقدان بھی ہے' جو وابستگان سلسلہ چشتیہ کو بذریعہ "سماع" حاصل ہے اس کے باوجود اس سلسلہ کی مقبولیت میں روزافزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ یہ سلسلہ زوال پذیر نہیں' انشاء اللہ تا قیام قیامت یہ جاری و ساری رہے گا اور اس کے فیوض و برکات سے اہل سلسلہ استفادہ کرتے رہیں گے۔ جیسا کہ علامہ شمس بریلوی (پاکستان) رقمطراز ہیں۔

"سیدنا عبدالقادر جیلانی سے سلسلہ شروع ہوا اور عرب و عجم اور سرزمین ھند میں خوب پھلا پھولا اور الحمداللہ آج بھی لاکھوں افراد دامن قادریت سے وابستہ ہیں"۔

ماخذ

۱۔ محمد میاں ' انوار العارفین ص ۱۵۲ مطبوعہ دہلی ۱۳۵۵ھ

۲۔ محمد میاں ' انوار العارفین ص ۱۵۲ مطبوعہ دہلی ۱۳۵۵ھ

۳۔ شیخ عبدالقادر جیلانی' قصیدہ غوثیہ مترجم مولانا عنصر صابری قادری ص ۴۳ دہلی

۴۔ نامعلوم ' تذکرۃ السلوک ص ۱۹

۵۔ عبدالرحمن جامی ' نفحات الانس ص ۲۲ کلکتہ ۱۸۵۸ء

۶۔ جعفر السراج البغدادی ' مصارع العشاق ص ۲۲۴ مطبوعہ قسطنطنیہ

۷۔ شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب ص ۷۱ دہلی ۱۹۸۸ء

۸۔ گل حسن، تعلیم غوثیہ ص ۳۳ طبع ثانی کراچی ۱۹۷۶ء

۹۔ محمد میاں، انوار العارفین ص ۱۵۲

۱۰۔ شاہ ولی اللہ، تفہیمات الہیہ ص ۴۷

۱۱۔ احمد اختر، تذکرۃ الفقراء دہلی ص ۳۸

۱۲۔ عبدالسلام نعمانی، تصوف کی اجمالی تاریخ معارف نمبر۶ جلد ۳۵ ص ۴۵۴

۱۳۔ آفتاب عالم، ہندوستان میں صوفیائے کرام کی خدمات تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰۔ ستمبر ۱۹۸۲ء ص ۱۵

۱۴۔ معتصم عباسی آزاد، علمائے چریاکوٹ، اسلام اور عصر جدید ص ۳۹ اپریل ۱۹۷۳ء دہلی۔

۱۵۔ گوپی چند نارنگ اسلامی تصوف کا نشوونما برہان دہلی جولائی ۱۹۵۶ء ص ۳۸

۱۶۔ خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت ص ۱۳۴ دہلی ۱۹۵۳ء

۱۷۔ شیخ اکرام رود کوثر ص ۹۳ لاہور ۱۹۷۹ء

۱۸۔ شیخ اکرام رود کوثر ص ۵۱۳ لاہور ۱۹۷۹ء

۱۹۔ مرزا احمد اختر تذکرہ اولیائے ہند جلد ۳ ص ۱۸ دہلی

۲۰۔ صفی حیدر تصوف اور شاعری ص ۸۸ لاہور ۱۹۴۸ء

۲۱۔ حسن واصف عثمانی، مطالعہ اسلامیات ص ۱۴۴

۲۲۔ مولوی غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۳۳ مطبوعہ لکھنؤ

۲۳۔ معین الدین، تاریخ سلسلہ فردوسیہ ص ۷۰

۲۴۔ فضل الحق سید الہند اور آپ کا اسلامی ص ۱۴ ۱۹۸۲ء

۲۵۔ شیخ علی شیرازی مناقب محمدیہ ص ۷۲ لاہور

۲۶۔ شیخ علی شیرازی حاشیہ مناقب محمدیہ ص ۷۲

۲۷۔ فضل الحق سید الہند اور آپ کا اسلامی مشن ص ۷۳

۲۸۔ غلام نبی احمد مراۃ الکونین ص ۳۹۸ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۳۱۲ھ

۲۹۔ طیب ابدالی جادہ عرفان ص ۲۱۰

۳۰۔ شیخ علی شیرازی، مناقب محمدیہ ص ۴۰

۳۱۔ انیس احمد، اذکار طیبہ ص ۳۴

۳۲۔ سید شمیم احمد ڈھاکہ، بہار کے صوفیائے کرام معارف جلد ۶ ص ۴۵۴

۳۳۔ غلام سرور حدیقۃ الاولیاء ص ۴۰ لاہور ۱۹۷۶ء

۳۴۔ عبدالمجتبیٰ، تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۲۷۹ دہلی ۱۹۸۹ء

۳۵۔ مقبول الرحیم مفتی، شہزادہ غوث الوری منہاج القرآن سیدنا غوث اعظم نمبر ص ۵۷، ۱۹۸۷ء

۳۶۔ ضیاء علی قادری مردان خدا ص ۱۰۷ مطبوعہ دہلی ۱۹۹۰ء

۳۷۔ ضیا علی قادری مردان خدا ص ۱۲۹

۳۸۔ ضیاء علی قادری مردان خدا ص ۱۳۵

۳۹۔ شیخ ابراہیم السامرائی، علماء العرب فی شبہ القازہ ص ۳۵ بغداد ۱۹۸۶ء

۴۰۔ ابراہیم السامرائی، علماء العرب فی شبہ القارہ ص ۳۵ بغداد

۴۱۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۴ (قلمی)

۴۲۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۸

۴۳۔ محمد خاں قادری مقام غوثیت ماب منہاج القرآن سیدنا غوث اعظم نمبر ص ۵۲ دسمبر ۱۹۸۷ء

۴۴۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۸

۴۵۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۸

۴۶۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۹

۴۷۔ مولانا الہدایہ الچشتی سیر الاقطاب ص ۱۰۲ لکھنؤ ۱۹۱۳ء

۴۸۔ خادم حسن زبیری، معین الارواح ص ۳۳ مطبوعہ آگرہ ۱۹۵۳ء بحوالہ اقتباس الانوار ص ۷۳

۴۹۔ خادم حسن زبیری، حاشیہ معین الارواح ص ۳۳

۵۰۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۲۲

۵۱۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۶

۵۲۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۹

۵۳۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۲۵

۵۴۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۶

۵۵۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۹

۵۶۔ دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء ص ۸۹ دہلی

۵۷۔ میر محمد یوسف عین القلوب العارفین ص ۹

۵۸۔ نثار احمد فاروقی نقد ملفوظات ص ۲۰۱ لاہور ۱۹۸۹ء

۵۹۔ شاہ ولی اللہ دہلوی انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۴ مطبوعہ دہلی

۶۰۔ سید لیاقت حسین بصائر ص ۳۸ حیدر آباد ۱۹۷۰ء

۶۱۔ عبدالمجتبیٰ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۲۴۸

۶۲۔ عبدالرحمن جامی نفحات الانس ص ۳۵ کلکتہ ۱۸۵۸ء

۶۳۔ عبدالرحمن جامی نفحات الانس ص ۳۴

۶۴۔ عبداللہ انصاری طبقات الصوفیہ ص ۱۰ تہران ۱۳۳۶ھ ش

★★★